سلسلہ خطباتِ شعیب

۱

جو آگ کی خاصیت وہی عشق کی خاصیت
ایک خانہ بہ خانہ ہے، ایک سینہ بہ سینہ ہے

اہلِ علم کے لیے
اہلِ دل سے رجوع کی ضرورت

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

الفہرس

عناوین	صفحہ
پیش لفظ	۵
تقویٰ حاصل کرنے کا قرآنی نسخہ	۱۰
کتب بینوں کے لیے قطب بینی کی ضرورت	۱۱
صحبت اہل اللہ کا مقصد	۱۳
دل اہلِ دل کی صحبت سے بنے گا	۱۴
تلاش حق میں مولانا جلال الدین رومیؒ کی بے قراری	۱۵
تلاشِ متلاشیٔ حق میں مولانا شمس تبریزیؒ کی بے چینی	۱۶
عشقِ خداوندی کی خاصیت	۱۶
قربِ حق کا رستہ ہی عشقِ حق میں مرنا ہے	۱۷
حق کا متلاشی حق کی تلاش میں	۱۸
مثنوی شریف کا مقام	۱۸
حکیم الامتؒ کی قطب بینی	۲۰
مولانا سلیمان ندویؒ کی قطب بینی	۲۱

۲۲	مولانا سلیمان ندویؒ پر قطب بینی کا اثر
۲۳	حضرت علی میاںؒ اور حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی قطب بینی
۲۴	حضرت گنگوہی کا دورِ کتب بینی اور حاجی امداد اللہ صاحب سے شناسائی
۲۵	حضرت گنگوہی کا تعلیم میں انہماک کا عالم
۲۷	حفاظت جس سفینے کی ، انہیں منظور ہوتی ہے
۲۹	مناظرہ کرنے کو گئے ولایت مل گئی
۳۱	قطب بینی کی کرشمہ سازیاں
۳۲	قطب بینی کے دو اثر: علم کی روشنی اور عشق کی گرمی
۳۳	عشق کی گرمی کے لیے اہل اللہ کے قریب آنا ضروری ہے
۳۴	اہل اللہ سے بُعد کی وجہ

یہ نہایت ہی اہم بات ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی وقت ذہن میں ڈالی کہ روشنی تو پھیلتی ہے؛ لیکن گرمی لینے کے لیے قریب آنا پڑتا ہے: جیسے آگ یہاں جل رہی ہو، ایک آدمی ایک میل کے فاصلے پر بیٹھ جائے تو اس کو روشنی تو ملے گی؛ لیکن اس کی گرمی اسے کہاں ملے گی؟ گرمی لینے کے لیے تو آگ کے قریب آنا پڑے گا، اگر آگ کے قریب نہ آیا تو گرمی حاصل نہ ہوگی، اسی طرح دور سے علم کی روشنی تو مل جائے گی، لیکن عشق کی گرمی نہیں ملے گی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی خاتم النبیین

اللہ رب العزت کے فضل سے ہمارے حضرت محدثِ کبیر، فقیہ النفس، عارف باللہ، تھانویٔ وقت: حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کو حضراتِ اکابر علما و مشائخ؛ بالخصوص مسیح الامت، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ، محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی مہربان علی صاحب بڑوتی رحمہ اللہ کی صحبت و خدمت کی سعادت، استفادے کی توفیق اور ان حضراتِ اساتذہ و مشائخِ عظام کی توجہات و دعائیں حاصل رہی ہیں۔

انہی اکابر کی توجہات کی برکت سے آپ چالیس سال سے مختلف علمی، تحقیقی، تصنیفی و تالیفی، تدریسی اور اصلاحی خدمات میں ہمہ تن مصروف ہیں جہاں آپ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور کے بانی و مہتمم ہونے کی حیثیت سے جامعہ کو ایک چھوٹے سے مدرسے سے گذار کر جامعہ کی شکل میں پہنچا چکے ہیں، جس کا فیض

یہاں کے فضلاء کے توسط سے دور دور تک جاری وساری ہے، وہیں آپ کی علمی، فکری، اصلاحی تصانیف تآلیف کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچ چکی ہے، جو وقت کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں اسی لیے الحمدللہ امت میں متداول ہیں، اسی طرح آپ حضرات علماء دیوبند کے طرز پر اصلاحی کوششوں میں بھی مصروف ہیں چنانچہ دیگر مشغولیات کے علاوہ آپ کے اصلاحی ودعوتی اسفار بھی جاری رہتے ہیں، اسی کے ساتھ ہر جمعرات مسجد بید بیدواڑی میں آپ کی اصلاحی مجلس بھی منعقد ہوتی ہے جو آپ نے اپنے مشائخ کے حکم سے شروع فرمائی اس مجلس میں آپ کے مریدین و وابستگان شریک ہوتے ہیں اور اپنی اصلاح کا سامان پاتے ہیں نیز چند سال سے ماہانہ اصلاحی مجلس کا انعقاد بھی عمل میں آیا ہے، چنانچہ ہر ماہ کے پہلے ہفتے کی مغرب سے اتوار کی اشراق تک ایک مرتب نظام چلتا ہے جس میں شہر و دور دراز کے علاقوں سے وابستگان حاضر ہوتے ہیں اس وقت جامعہ میں ایک عجیب پر کیف منظر ہوتا ہے ،اسی طرح اساتذہ وطلبائے جامعہ کے لیے روزانہ بعد نماز عصر حضرات والا کی مجلس ہوتی ہے۔ان مجالس سے حضرات اساتذہ وطلبہ اور مہمانان و وابستگان فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اصل تو یہ ہے کہ ان اللہ والوں کی اس قسم کی مجالس میں پہنچ کر استفادہ کیا جائے اور اپنے اندر عشق الٰہی کی آگ جلائی جائے ،لیکن اگر کسی کو اس کا موقع نہ ملے یا مسلسل حاضری واستفادے کی سہولت نہ ہو تو انھی مشائخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی مجالس اور مواعظ کو سنا یا پڑھا جائے تو یہ بھی ان کی صحبت کے قائم مقام ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے اکابر کے مواعظ وخطبات اور ان کی مجالس اور

مکاتیب کو محفوظ و مرتب کیا جاتا رہا ہے اور جو کوئی اصلاح کی غرض سے ان کو پڑھتا ہے تو اس کو فائدہ بھی ہوتا ہے۔

حضرت والا کے مواعظ و خطبات - جو جمعہ کے موقع پر اور مختلف جلسوں اور اصلاحی مجالس و محافل میں ہوئے ہیں - کی تعداد سینکڑوں میں ہے، ان میں سے چند مواعظ فیضان معرفت کے نام سے مرتب ہو کر مقبول و متداول ہیں۔ ارادہ یہ ہے کہ حضرت والا کے ان بیش بہا خطبات میں سے منتخب خطبات و مواعظ کو - جن میں سے بعض بڑے ہی قیمتی اور وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں - کو مرتب کر کے سلسلہ وار شائع کیا جائے اور پھر بعد میں ان کو مجموعی شکل میں بھی شائع کیا جا سکتا ہے۔

انہی میں سے ایک یہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو حضرت والا نے جامعہ کے اساتذہ و طلبہ میں ''کتب بینی کے ساتھ قطب بینی بھی ضروری ہے'' کے عنوان سے وعظ فرمایا جس میں آپ نے حضرات علماء و طلبہ کو اپنی باطنی اصلاح و تربیت کے لیے مشائخ و اہل دل سے رجوع کی اہمیت و ضرورت کو قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ کی روشنی میں سمجھایا ہے اور نیز اس سلسلے میں اکابرین امت کے واقعات بھی بیان فرمائے ہیں، جس سے جہاں یہ وعظ بڑا ہی پر اثر ہے وہی دلچسپ بھی ہو گیا ہے۔

یہاں یہ تذکرہ مناسب معلوم ہوتا کہ اس وقت حضرت والا خصوصیت کے ساتھ اس طرف زیادہ متوجہ ہیں کہ اہل علم اپنی اصلاح کی جانب توجہ دیں اور ایسے

بنیں کہ وہ جہاں جائیں عشق الٰہی کی آگ جلادیں؛ چنانچہ چند دن قبل بعض فضلائے جامعہ کے مجمع میں اپنے مزاج کے خلاف یہ فرمایا کہ

''مجھے اس وقت کچھ ایسے اشارات ہیں کہ اس وقت اس کام کی بڑی شدید ضرورت ہے''

اور اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

''آج بہت سے اہل باطل اسی رخ سے آرہے ہیں جیسے ملعون ریاض احمد گوہر شاہی کا فتنہ ہے، اس قسم کے فتنے اسی ذکر، مراقبے اور تصوف کی راہ سے آرہے ہیں؛ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ اہل علم جہاں اور کمالات رکھتے ہیں اور دین کی خدمات انجام دیتے ہیں تو آپ حضرات اس جانب بھی توجہ کریں اور اپنے آپ کو اس قابل بنائیں اور عوام الناس کو حقیقی تصوف سے واقف کرائیں، اسی سے آپ حضرات کی خدمات میں قوت و مضبوطی پیدا ہوگی اور آج اس قدر وسیع خدمات کے باوجود اس کے کماحقہ ثمرات اسی لیے مرتب نہیں ہو رہے ہیں، ہمارے اکابر دیوبند کا یہی طغرۂ امتیاز ہے کہ وہ جہاں ایک جانب علمی خدمات میں مشغول ہوتے تھے وہیں وہ اپنی اصلاح سے غافل نہیں ہوتے تھے۔''

اخیر میں تو یہاں تک فرمادیا کہ

''بھائی میرے مرنے سے پہلے کچھ لوگ تیار ہوجاؤ''

اس سے حضرت والا کے درد کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور میں نے یہاں ان باتوں کو اسی لیے نقل کر دیا ہے تاکہ آپ کا یہ درد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ جائے۔

اس وعظ کی اہمیت کے پیش نظر جامعہ کے ایک ہونہار فاضل مولوی محمد سفیان صاحب سلمہ - جو اس وقت حضرت والا کے مضامین و رسائل کی ترتیب، تصحیح و تحقیق میں مصروف ہیں- نے اس وعظ کو سن کر ٹائپ کر کے مرتب کر دیا، اللہ تعالی موصوف کو اس کا بہترین بدلہ عنایت فرمائیں اور ان کی عمر، علم و عمل میں خوب خوب برکتیں عطا فرمائیں کہ انہی کی کوشش سے یہ مفید وعظ قارئین تک پہنچ رہا ہے۔

موصوف نے یہ وعظ احقر کے پاس پیش کیا تو احقر نے اس پر نظر ثانی کی اس کے مضامین کو تقسیم کیا اور پھر عنوانات لگا کر حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر نظر فرمائی اور اس کو اس قابل بنا دیا کہ آپ حضرات کے سامنے پیش کیا جائے، تاہم اس میں کہیں کوئی کمی نظر آئے تو مرتبین کی طرف منسوب کیا جائے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ حضرت والا کا سایہ امت پر بہ عافیت تا دیر قائم فرمائیں، آپ کے فیض کو عام و تام فرمائیں اور ہم کو اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں، قارئین کے لیے اس کو نافع و مفید بنائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

محمد خالد خان قاسمی

جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد :

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾

[سورۃ التوبۃ: ۱۱۹]

تقویٰ حاصل کرنے کا قرآنی نسخہ

عزیزان گرامی! اگر انسان سے گناہ سرزد ہو جائے اور وہ خود کو گناہوں سے بچانا چاہے اور راہ تقویٰ اختیار کرنا چاہے یا یہ کہ گناہ کرنے سے پہلے ہی وہ گناہوں کے سیلاب سے اپنی حفاظت کا سامان پیدا کرنا چاہے تو اس کے لیے ایک طریقہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بتایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی گذارو اور صادقین کی صحبت اور معیت میں رہا کرو۔)

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم چودہ سو سال سے اب تک برابر پڑھا اور سنا جا رہا ہے اور

قیامت تک پڑھا اور سنا اور سنایا جاتا رہے گا کہ ﴿ كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ﴾ یعنی صادقین کی صحبت اور معیت میں رہا کرو، نیک لوگوں کی صحبت اٹھاؤ۔ نیک لوگوں کی صحبت سے یہ فائدہ ہوگا کہ انسان کے اندر تقوی پیدا ہوگا اور تقوی سے انسان گناہ سے بچے گا۔

کتب بینوں کے لیے قطب بینی کی ضرورت

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ''کتب بینی کے ساتھ قطب بینی بھی ضروری ہے''، حضرت مولانا حکیم اختر صاحب نے ذکر کیا ہے کہ حضرت تھانوی سے کسی نے پوچھا کیا کہ آپ وعظ میں اتنے علوم بیان کرتے ہیں، یہ کہاں سے بیان کرتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتب بینی بہت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، درس نظامی جتنا تم نے پڑھا ہے، اتنا ہی اشرف علی نے بھی پڑھا ہے، لیکن تم کتب بینی پر قناعت کرتے ہو اور میں نے کتب بینی زیادہ نہیں کی، مگر قطب بینی زیادہ کی ہے، یعنی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب،، مولانا رشید احمد صاحب، مولانا یعقوب صاحب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہم اللہ، ان بزرگوں کی صحبت اٹھائی اور خدمت کی ہے، یہ اسی کی برکت ہے۔

(صحبت اہل اللہ کی اہمیت وفوائد: ۱۸۸-۱۸۹)

ایک کتب بینی ہے اور ایک قطب بینی ہے، دونوں میں ذرا سا فرق ہے کہ ایک کاف سے ہے اور ایک قاف سے، ''قطب'' اللہ کے ولیوں اور مقربین بارگاہ الٰہی کو کہتے ہیں اور قطب بینی سے مراد ان کو دیکھنا اور ان کی صحبت اٹھانا ہے، ان سے فیض پانا ہے اور کتب بینی کا مطلب ہے کتابیں پڑھنا۔ حضرت تھانوی کا منشا یہ

ہے کہ کتب بینی بھی چاہیے اور قطب بینی بھی چاہیے، کتب بینی کے ذریعہ سے علم آئے گا اور علم کے ذریعہ سے روشنی ملے گی اور اس روشنی سے اچھائی و برائی اور حق و باطل کی پہچان ہوگی کہ یہ حق ہے، یہ باطل ہے، یہ اچھا ہے، یہ برا ہے، یہ گناہ ہے، یہ طاعت ہے، یہ معصیت ہے، یہ بیہودگی ہے۔

لیکن حق و باطل کی پہچان ہونے کے باوجود اور گناہ کی برائی وقباحت سمجھ میں آنے کے باوجود، طاعت وعبادت، نیکی واچھائی کی فضیلتیں معلوم ہونے کے باوجود لوگ نیکی نہیں کرتے اور گناہوں سے باز نہیں آتے، چناں چہ مشاہدہ ہے کہ بہت سارے لوگ علم میں کمال تو پیدا کر لیتے ہیں، تہجد کی فضیلت اور ذکر کے فضائل ومناقب پر تقریریں تو کرتے ہیں اور معصیت و گناہ کی برائی و مذمت پر خطاب تو کر لیتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود تہجد نہیں پڑھتے، ذکر نہیں کرتے، نیکی اور طاعت میں دل چسپی نہیں رکھتے، ان لوگوں کو اچھائی کی طرف دل چسپی نہیں، ذکر میں مزہ نہیں ہے، طاعتوں میں لذت نہیں ہے، تقوی اور طہارت کے اندر ان کو کچھ اچھائی نہیں معلوم ہوتی، نیکی سے بھاگنے لگتے ہیں، گناہ سے نہیں بچتے، بل کہ ان کو گناہ کی طرف چلنے میں لذت اور مزہ آتا ہے اور معصیت کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔

حضرات! سوچنے کی بات ہے کہ پڑھنے سے اگر یہ سب کچھ حل ہو جاتا تو پھر ہر طالب علم اور ہر عالم وفاضل کو یہ سب کچھ کرنا چاہیے تھا، گناہ سے بچنا تھا، برائیوں سے دور رہنا تھا، نیکی اور طاعتوں میں آگے بڑھنا چاہیے تھا؛ مگر جیسا کہ بیان ہوا ایسا نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ کتب بینی تو کرتے ہیں، مگر قطب بینی نہیں کرتے اور یہ چیز قطب بینی سے حاصل ہوتی ہے اور اہل اللہ کی

صحبت کا مقصد بھی یہی ہے۔

اکبر الہ آبادی نے اسی بات کو اپنے شعر میں کہا تھا

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے، بزرگوں کی نظر سے پیدا

صحبت اہل اللہ کا مقصد

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے بیان کیا ہے ،ایک بار حضرت گنگوہیؒ نے اپنی مجلس کے اندر یہ فرمایا کہ

''بزرگوں کے پاس جو آیا جایا جاتا ہے ،ان کی صحبت اور معیت اٹھائی جاتی ہے،ان سے استفادہ کیا جاتا ہے،ان ساری چیزوں کا مقصد بہت چھوٹی سی بات ہے۔''

وہاں جتنے لوگ بیٹھے تھے وہ سب پہونچے ہوئے تھے،اس لیے کہ وہاں تو بہت بڑے بڑے لوگ ہوتے تھے، انہوں نے حضرت کی بات سمجھ لی ہوگی، اس لیے کسی نے بھی نہیں پوچھا کہ وہ چھوٹی بات کیا ہے؟ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کہتے ہیں کہ نہ حضرت سے یہ پوچھا گیا، نہ خود حضرت نے بتایا، انہوں نے تو اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے نہیں بتایا، میں اپنی کم ظرفی سے تم کو بتا دیتا ہوں کہ وہ چھوٹی بات کیا ہے؟ پھر کہا کہ

''وہ چھوٹی سی بات جو اللہ والوں سے حاصل کی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ نیکیوں اور طاعت کی طرف ایسی رغبت ہو جائے جیسے کسی بھوکے کو بھوک کے وقت میں کھانے کی رغبت ہوتی ہے اور گناہوں

سے ایسی نفرت اور ایسی کدورت ہوجائے جیسے پیشاب پاخانہ سے انسان کو کراہت ونفرت ہوتی ہے،،۔

یعنی ان ساری محنتوں کا مقصد اور ان کا منشا یہ ہے کہ آدمی کے اندر نیکی اور طاعت کی ایسی رغبت پیدا ہوجائے جیسے بھوکے آدمی کو کھانے کی رغبت ہوتی ہے۔ ایک آدمی بالکل بھوکا ہے تین دن کا فاقہ ہے، اس کے سامنے بریانی تو بریانی اگر معمولی سا کھانا آجائے ،سوکھی روٹی آجائے ،دال آجائے ،تو اسے بریانی سے زیادہ اس میں لذت آئے گی اور خوب رغبت کے ساتھ اس کو کھائے گا، فرمایا کہ اہل اللہ کی صحبت کا مقصد نیکی کی ایسی رغبت حاصل کرلینا ہے اور ایسے ہی گناہ سے ایسی نفرت پیدا کرلینا ہے، جیسے پیشاب و پاخانے سے نفرت ہوتی ہے۔ اب ہم اپنا جائزہ لیں کیا ہمارے اندر یہ بات آگئی ہے؟

دل اہلِ دل کی صحبت سے بنے گا

الغرض میں آپ کو یہ بات سمجھا رہا ہے تھا کہ صرف علم حاصل کرلینے سے یہ چیز حاصل ہوجاتی ہے یا نہیں؟ مشاہدہ یہی ہے کہ محض علم سے یہ چیز حاصل نہیں ہورہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک کام تو کررہے ہیں، مگر ایک اور کام نہیں کررہے ہیں، اسی لیے حضرت تھانویؒ کہتے ہیں کہ کتب بینی کے ساتھ قطب بینی کرنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ کتب بینی سے علم کی روشنی ملے گی، اچھے برے کا فرق معلوم ہوجائے گا؛ لیکن اندر سے دل ابھی نہیں بنے گا، دل کو بنانے کے لئے قطب بینی یعنی اہل اللہ کی صحبت اٹھانے کی ضرورت ہے ، اسی کو اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ﴾ نیک لوگوں کی صحبت ومعیت میں رہا کرو، تب جاکرتم

کو وہ چیز حاصل ہو سکتی ہے؛ لہذا کتب بینی کرنے کے ساتھ قطب بینی جب تک نہیں ہوگی وہ چیز حاصل نہیں ہوگی جس کا میں نے ابھی ذکر کیا کہ آدمی کے اندر نیکیوں اور طاعتوں کی ایسی رغبت ہو جائے جیسے بھوکے کو کھانے کی اور گناہوں سے ایسی نفرت ہو جائے جیسے پیشاب اور پاخانہ سے انسان کو نفرت ہوا کرتی ہے۔

تلاشِ حق میں مولانا جلال الدین رومیؒ کی بے قراری

بڑے بڑے اکابر دنیا میں گزرے ہیں، ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم کتابوں کو چاٹ گئے، کتابوں کو کھنگال گئے، علوم اور فنون کے اندر غوطہ زن ہو گئے اور اس کے شناور ہو گئے، لیکن اس کے باوجود ہم کو ضرورت ہے کہ ہم کسی اللہ والے کی صحبت اٹھائیں، اس کی صحبت سے ہم کو وہ دولت ملے کہ دل کے اندر اللہ کے عشق کی آگ پیدا ہو جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جائے، نیکیوں کی ایسی رغبت اور گناہوں سے ایسی نفرت پیدا ہو جائے۔

کون نہیں جانتا حضرت امام جلال الدین رومیؒ کتنے بڑے پائے کے عالم تھے، ان کے بارے میں تاریخ میں لکھا ہے کہ آپ بڑے عالم وفاضل تھے اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ اس زمانہ کے بادشاہ خوارزم شاہ کے نواسے بھی تھے یعنی علمی کمال کے ساتھ ساتھ دنیاوی اعتبار سے بڑائی وسیادت اور دنیاوی منصب بھی ان کو حاصل تھا، اور ہر فن مولی ومتعدد علوم میں امام تھے، بڑے بڑے علماء سے ان کے مناظرے ہوتے تھے، بڑے بڑے عالموں کے ساتھ مختلف موضوعات پر ان کی گفتگو چلتی تھی، دور دور تک شہرہ تھا، لیکن ان کے دل کے اندر ایک زمانہ میں آ کر بے چینی پیدا ہو گئی، ان کے دل میں یہ احساس ہو رہا تھا کہ مجھے لفاظی تو بہت آ رہی

ہے، زبان تو میری بہت چل رہی ہے، اور مناظرے کر کر کے لوگوں کو شکست دے رہا ہوں، یہ سب کچھ ہے، لیکن دل کے اندر ایک قسم کی بے چینی کیوں ہے؟ مجھے وہ کیوں نہیں مل رہا ہے جس کے لیے سب کچھ پڑھا گیا ہے؟ یعنی ''اللہ''۔

تلاشِ متلاشی حق میں مولانا شمس تبریزیؒ کی بے چینی

اسی زمانہ میں ایک بہت بڑے اللہ والے تھے، ان کا نام تھا حضرت شمس تبریزیؒ، وہ دوسرے علاقے کے تھے، ایک زمانے تک وہ اس تلاش میں رہے کہ کوئی اللہ کا بندہ مجھے ملے جو عشق کی آگ میرے اندر ہے وہ آگ میں اس کے دل میں داخل کردوں، لیکن کوئی اللہ کا بندہ ایسا نظر نہیں آتا تھا جو اس کا اہل ہو، کتابیں پڑھنے والے، تصنیفات والے، مناظرے باز اور مختلف علوم وفنون کے محققین تو آرہے ہیں، لیکن کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں آرہا ہے جو یہ کہتا ہو کہ میرے سینے میں اللہ کے عشق کی آگ بھر دیجیے؟ کہتے ہیں آپ روتے تھے، اور آپ کا دل بے قرار ہوتا تھا۔

عشقِ خداوندی کی خاصیت

اس لیے کہ جس کے دل میں اللہ کے عشق کی آگ ہو وہ اسے اندر اندر ستاتی اور بے چین کر دیتی ہے، اس لیے کہ آگ کی خاصیت ہے پھیلنا اور عشق کی بھی وہی خاصیت ہے جو آگ کی خاصیت ہے، بس دونوں میں ایک فرق ہے کہ ایک سینہ بہ سینہ ہے تو ایک خانہ بہ خانہ ہے۔

حضرت عزیز الحسن مجذوب نے کہا کہ

جو آگ کی خاصیت وہی عشق کی خاصیت

ایک خانہ بہ خانہ ہے، ایک سینہ بہ سینہ ہے

تو ایک ظاہری آگ ہے جو خانہ بہ خانہ منتقل ہوتی ہے، یہاں سے وہاں جائے گی، اُسے لگے گی، اِسے لگے گی، اُسے جلائے گی اِسے جلائے گی؛ لیکن یہ جو دل کی آگ ہے وہ سینہ بہ سینہ ہے، ایک سینے سے دوسرے سینے میں، دوسرے سے تیسرے سینے میں، تیسرے سے چوتھے سینے میں منتقل ہوتی ہے۔ تو جو خاصیت آگ کی ہوتی ہے وہی عشق کی خاصیت ہوتی ہے، وہ ایک جگہ نہیں رہ سکتی، تڑپتی ہے، پریشان رہتی ہے کہ میں کہاں بیٹھوں، کہاں رہوں مجھے تو یہاں سے وہاں جانا ہے اور اندر اندر بے چین رہتی ہے۔

قربِ حق کا رستہ ہی عشقِ حق میں مرنا ہے

تو حضرت شاہ شمس تبریزیؒ بے قرار رہتے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ بہت پڑھنے والے آ رہے ہیں، بہت لکھنے والے آ رہے ہیں، بہت محققین آ رہے ہیں، ایسے آ رہے ہیں، ویسے آ رہے ہیں، خطباء آ رہے ہیں، شعراء آ رہے ہیں، منبر و محراب کے شہ سوار آ رہے ہیں، لیکن کوئی اللہ کا بندہ وہ نہیں آ رہا ہے جو مرنا چاہتا ہو، سب جینے والے آ رہے ہیں، مرنے کے لیے کوئی نہیں آ رہا ہے، اس لیے کہ بھائی اس راہ میں تو مرنے والے ہی آ سکتے ہیں۔ میرا ایک شعر ہے

قربِ حق کا رستہ ہی عشقِ حق میں مرنا ہے
شوق گر ہو مرنے کا، تو رکھ قدم سفینے میں

اگر مرنے کا شوق نہیں، جینے کا شوق ہے تو اہل اللہ زبان حال سے یہی کہتے کہ جاؤ بھائی! کسی اور جگہ جاؤ، اہل اللہ کے یہاں تو مرنے والے آتے ہیں، تو وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ صورت حال ہے، اس لیے دل اندر سے بے چین ہوتا تھا،

ایک دن دل کے اندر بہت ہی بے چینی ہوئی ،تو انھوں نے کہا: اے اللہ! میرے دل میں تیرے عشق کی آگ مجھے بے چین کر رہی ہے، کسی جگہ منتقل ہونا ہے، جب تک یہ ادھر سے ادھر نہیں جائے گی ، میں تو جی نہیں سکتا۔

حق کا متلاشی حق کی تلاش میں

اللہ نے دعا قبول کر لی ،اوران کوالہام ہوا کہ ایک بندہ ہمارے عشق ومحبت کا متلاشی روم شہر کے اندر ہے، تم وہاں پر چلے جاؤ، وہ تم کو وہاں پر ملے گا، تو آپ گئے اور وہاں جا کرادھر اھر ٹہلتے رہتے تھے، کسی جگہ ایک محلّہ میں ان کا قیام تھا، اتفاق سے اسی محلّہ میں مولانا رومی کا آنا جانا بھی تھا، دونوں کی ملاقات ہوگئی، ملاقات ہونے کے بعدان کی حالت کوقرار آیا اور اِنہوں نے وہ عشق کی آگ اپنے سینہ میں لے لی اور مولانا رومی کی حالت پہلے کے حساب سے بدلتی چلی گئی، پہلے وہ بڑے عالم، فاضل، اور بڑے محقق تھے، سب کچھ تھے، لیکن دل بنا ہوا نہیں تھا، شمس تبریزی کی ملاقات کے بعد دل کے اندر اللہ کے عشق کی آگ آ گئی، پھر تو دنیا نے ان کو دیکھ لیا کہ ان سے کیا کیا علوم دنیا میں پھیلے۔

خود مولانا جلال الدین رومی اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

مثنوی شریف کا مقام

مولانا رومی کی مثنوی شریف دنیا کی لاجواب کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔علامہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے خدانخواستہ اگر دارالعلوم دیوبند کا کتب خانہ کسی

حادثہ کا شکار ہو جائے، تو الحمد للہ! دار العلوم دیو بند کی تمام کتابوں کو میں اپنے حفظ اور یادداشت سے لکھا سکتا ہوں، لیکن چار کتابیں نہیں لکھا سکتا، ایک قرآن کریم، یہ بھی اللہ کی ایک عجیب حکمت ہے کہ اتنا بڑا حافظے والا دار العلوم دیو بند کا پورا کتب خانہ جس کے دماغ میں ہے، لیکن ان کو قرآن یاد نہیں ہوا، جب کہ بچہ بچہ قرآن کا حافظ ہو جاتا ہے۔ بہر حال انہوں نے کہا: ایک: قرآن کریم، دوسرے: بخاری شریف، تیسرے: ہدایہ شریف اور چوتھے: مثنوی شریف۔

دیکھو! یہ مثنوی شریف ایسی عظیم کتاب ہے، جس کے بارے میں کہنے والوں نے کہا کہ اس کے اندر جو کچھ علوم ہیں وہ قرآن اور حدیث کے علوم ہیں، جن کو انہوں نے اشعار کے اندر پیش کر دیا ہے، یہ الہامی کتاب ہے، جو اٹھائیس ہزار اشعار کا مجموعہ ہے، اس میں قرآن کی تفسیر، احادیث کی تشریح، مسائل کی تحقیق، معنوی تحقیقات، بڑے عجیب عجیب علوم ہیں، لکھتے لکھتے آ کر ایک جگہ پر انہوں نے نامکمل کتاب چھوڑ دی، اٹھائیس ہزار اشعار لکھنے کے بعد بالکل دماغ خالی ہو گیا، انہوں نے یہ لکھ دیا کہ اب اس کے بعد میرا دماغ نہیں چلتا اور مجھے بتایا گیا ہے کہ اس میری کتاب کی تکمیل کرنے کے لیے کوئی اللہ کا بندہ بعد میں پیدا ہو گا اور وہ مثنوی کا خاتمہ لکھے گا۔ اب لوگ منتظر تھے کہ کون پیدا ہو گا اور مثنوی کا خاتمہ لکھے گا، یہاں تک کہ ہندوستان کے اندر وہ شخص پیدا ہوا جو مثنوی شریف کو مکمل کرنے والا تھا، کاندھلہ جو حضرت مولانا شیخ زکریا صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا شاہ الیاس صاحب کاندھلویؒ، اور حضرت مولانا حضرت جی یوسف صاحب کاندھلویؒ کی بستی ہے، اس کاندھلہ میں انہی کے خاندان کے اندر بہت پہلے

ایک بزرگ گزرے ہیں جن کا نام حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ ہے، انہوں نے اس کی تکمیل کی، اسی لیے ان کو خاتم مثنوی کہا جاتا ہے یعنی مثنوی کا خاتمہ لکھنے والے، تو بہر حال میں کہہ رہا ہے تھا، دیکھو! اللہ نے ان سے کیسا کمال ظاہر فرمایا، یہ کب ہوا؟ پہلے کتب بینی کرتے تھے، بعد میں انہوں نے قطب بینی کی، وہ قطب کون تھے شمس تبریزیؒ، ان کی صحبت نے ان کو بدل ڈالا۔

حکیم الامتؒ کی قطب بینی

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ نے ایک ہزار کتابیں لکھی ہیں تو آپ نے کتنی ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہوگا؟۔ حضرت کی کتابیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا علم انتہائی دقیق، انتہائی وسیع، گیرائی لیے ہوئے بھی تھا، گہرائی لیے ہوئے بھی تھا۔ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ مجھے شروع سے بھی کتابیں پڑھنے کا زیادہ شوق نہیں تھا، بس میں واجبی پڑھتا تھا، مدرسہ کی درسی کتابیں اور ضرورت کے لیے اور کتابیں پڑھتا تھا، لیکن بہت زیادہ وسیع المطالعہ میں نہیں ہوں، پوچھنے والے کو اور بھی تعجب ہوا، انہوں نے کہا پھر آپ نے اتنی تصانیف کیسے کردیں؟ تو حضرت نے کہا کہ میں کتب بینی تو زیادہ نہیں کرتا تھا، البتہ میں نے چار کتابیں پڑھی ہیں، پوچھنے والے نے پوچھا وہ چار لاجواب کتابیں کونسی ہیں؟ حضرت نے کہا ایک کتاب کا نام ہے: ''حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی''، ایک کتاب کا نام ہے: ''حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی''، ایک کتاب کا نام ہے: ''حضرت مولانا محمود الحسن دیو بندی''، ایک کتاب کا نام ہے: ''حضرت امداد اللہ مہاجر مکی''، یہ کتابیں میں نے پڑھی ہیں،

یعنی ان کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔

دیکھو! یہ قطب بینی ہے، اس کو پڑھنا ہے، خالی کتاب پڑھنا نہیں، کتاب پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی زندگی کے نقشوں کو پڑھو، جنہوں نے کتابوں کو پڑھنے کے ساتھ ان پر عمل پیدا کیا، اللہ کا عشق اور اللہ سے تعلق پیدا کیا، تقوی و طہارت کی زندگی گزاری، ایسے لوگوں کی صحبت اور معیت اور ان کو پڑھنا، یہ ہے اصل میں قطب بینی۔ دو مثالیں میں نے دیدیں۔

مولانا سلیمان ندویؒ کی قطب بینی

اس سلسلے میں ایک تیسری مثال دیتا ہوں، کون نہیں سنا ہوگا حضرت مولانا سلیمان ندویؒ کا نام، دنیا کے عظیم انسانوں میں سے ایک عظیم انسان ہیں، بے شمار کتابیں انہوں نے لکھیں، ان کی کتاب ''سیرۃ النبی'' جو اصل میں ان کے استاذ علامہ شبلی نعمانیؒ نے شروع کی تھی، دو جلدیں انہوں نے لکھیں، باقی چار جلدیں علامہ سلیمان ندوی نے لکھیں جو آپ کی لاجواب تصنیف ہے، اور ایسے ہی آپ عربی کے بہت بڑے ماہر اور عربی علوم پر گہری نگاہ رکھنے والے تھے، دنیا بھر میں ان کا شہرہ تھا، لیکن اس کے باوجود ان کو بھی ایک وقت یہ کہنا پڑا کہ اپنے اندر کچھ کمی ہے، کچھ کمی محسوس کرتا ہوں، اوپری اوپری طور پر علم تو بہت ہے، لیکن دل خالی معلوم ہوتا ہے، اس خالی دل کو بھرنا چاہئے، پھر آپ اس کمی کی تلاش میں لگے رہے تو اللہ تعالی نے آپ کے دل میں ڈالا کہ ان کے زمانہ کے ایک بہت بڑے عالم، فاضل، صوفی اور بزرگ اللہ والے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں، ان کی صحبت کو اختیار کریں، تو آپ ان کی خدمت میں آئے، حالانکہ حضرت مولانا

اشرف علی تھانویؒ ان سے کچھ زیادہ بڑے نہیں تھے، آپ ہی کے ہم عصر اور ہم عمر تھے اور آپ شہرت میں حضرت تھانویؒ سے بھی زیادہ بڑھے ہوئے تھے، عربوں تک میں ان کی کتابوں اور مضامین کی شہرت تھی، اس کے باوجود اپنی انانیت کو انہوں نے اپنے قدموں کے نیچے ڈالا اور اپنے ہم عصر بزرگ سے وابستہ ہو گئے۔

غور کیجیے کہ جس آدمی کی اتنی شہرت اور اتنی عزت ہو، عربوں تک میں شہرہ رکھتا ہو، وہ کتنا بڑا آدمی ہوگا، آپ کے شاگرد ہزاروں ہزار دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تھے، آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے ذمہ دار بھی تھے، اور وہاں کے بہت ممتاز و عظیم استاذ بھی تھے، بہت بڑے آدمی تھے، ہزاروں نہیں لاکھوں انسان ان کے چاہنے والے اور ان کے ماننے والے دنیا بھر میں موجود تھے؛ لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت تھانویؒ کو اپنا شیخ بنا کر ان کی جوتیاں سیدھی کرنے میں ہی اپنی سعادت محسوس کی، اور آ کر حضرت تھانویؒ سے بیعت ہو گئے، پہلے وہ حضرت تھانویؒ کو جانتے تو تھے، لیکن اپنی بڑائی کی بنیاد پر کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے، لیکن بعد میں پھر اللہ نے دماغ میں ڈالا تو طالبانہ وہاں پہنچ گئے اور قطب بینی سے سرفراز ہوئے۔

مولانا سلیمان ندویؒ پر قطب بینی کا اثر

حضرت تھانوی کی صحبت میں بیٹھنے کے بعد انہوں نے کہا: ”اب تک جس کو میں علم سمجھتا تھا وہ علم ہی نہیں ہے، یہاں آ کر پتہ چلا کہ علم کس کو کہتے ہیں اور مجھے تو اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں طفلِ مکتب ہوں“۔

مولانا سلیمان ندوی کے بہت شاگردوں نے ان پر اشکال بھی کیا کہ آپ

اتنے بڑے عالم، ایسے جلیل القدر عالم کہ دنیا بھر میں عزت، دنیا بھر میں شہرہ، آپ جا کر حضرت تھانوی سے بیعت ہوگئے؟ مولانا سلیمان ندویؒ نے جواب میں کہا کہ بھائی! تم مجھے بڑا مانتے ہو یا چھوٹا؟ کہا کہ بڑا مانتے ہیں، کہا میری اس بات کو بھی بڑا مانو کہ ہاں ایسے ہی مجھے کرنا چاہیے تھا، اس کے بعد ان کا حال ایسا ہوگیا کہ ہمارے حضرت مسیح الامتؒ فرماتے تھے کہ کسی بھی مجلس میں حضرت تھانوی کا ذکر آتا تو رو پڑتے تھے، رو رو کر آپ کا تذکرہ کرتے تھے۔

حضرت مولانا علی میاںؒ اور حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی قطب بینی

اسی سلسلے کی ایک اور مثال لیجیے کہ حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندویؒ اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ دونوں کتنے بڑے عالم تھے! حضرت علی میاں صاحب کی عربیت کا لوہا تو عرب بھی مانتے تھے، اور بہت بڑے مصنف بھی تھے، اور بہت بڑے ادیب بھی تھے، اور حضرت منظور نعمانی صاحب تو بہت بڑے مناظر بھی تھے، لیکن ان دونوں حضرات کو بھی ایک وقت یہ محسوس ہونے لگا کہ اپنے اندر کچھ کمی ہے اور دل کا حال وہ نہیں ہے جو ہونا چاہیے، اسی احساس کی وجہ سے یہ دونو ں حضرات حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی جوتیاں سیدھی کرنے لگے۔

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ان حضرات کے اندر کیا کمی تھی؟ علم کے پہاڑ تھے، بڑے بڑے مصنف تھے، دنیا دیکھے ہوئے تھے، بڑے اہم اداروں کے ذمے دار تھے؛ لیکن اس کے باوجود ان حضرات کو بھی اہل اللہ کے پاس طالبانہ و مریدانہ

آنا پڑا؛ کیوں کہ اللہ کے عشق کی آگ یہیں پر ملتی ہے جو چیز دل کی ضرورت ہے، وہ اسی جگہ آ کر پوری ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور بات سوچنے کی ہے کہ حضرت سلیمان ندویؒ کا حضرت تھانوی کے پاس آنا اگر چہ تعجب خیز ہے؛ لیکن ان حضرات کا حضرت عبدالقادر رائے پوری کے پاس آنا اس سے زیادہ تعجب خیز ہے؛ کیوں کہ حضرت تھانوی اور حضرت سلیمان ندویؒ یہ دونوں ایک دوسرے کی ٹکر کے آدمی تھے، یعنی ان کی بھی شہرت تھی اور ان کی بھی شہرت تھی، یہ بھی کئی کتابوں کے مصنف تھے اور وہ بھی کئی کتابوں کے مصنف تھے، لیکن حضرت رائے پوری صاحب تو صرف خوانقاہی آدمی تھے، کسی بھی کتاب کے مصنف نہیں تھے اور اتنے مشہور بھی نہیں تھے، اس کے باوجود اتنے زبردست علم والوں کا، مصنفین کا، دنیا کے احوال پر گہری نظر رکھنے والوں کا ان کی خدمت میں آ جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

حضرت گنگوہی کا دورِ کتب بینی اور حاجی امداد اللہ صاحب سے شناسائی

اس حوالے سے ایک واقعہ حضرت رشید احمد گنگوہی کا بھی سننے کے لائق ہے کہ آپ دہلی میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ صاحب سے پڑھتے تھے اور پڑھنے میں بے مثال اور لا جواب تھے، ہر وقت کتابوں کی دھن لگی رہتی تھی، اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی بھی آپ کے ساتھ ہی پڑھتے تھے، اس زمانے میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی صاحب کے پاس ایک بزرگ ملنے کے لیے آتے تھے، جن کا نام تھا حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، مہاجر مکی تو بعد میں بنے، وہ اصل میں تھانہ بھون کے رہنے والے تھے؛ لیکن اس زمانے میں ان کا قیام دہلی میں

تھا، اور چونکہ حاجی صاحب کا مقام بڑا بلند تھا اوران کی ولایت کا بڑا شہرہ تھا، اس لیے جب وہ شاہ عبدالغنی مجددی صاحبؒ کے پاس آتے تو حضرت حاجی صاحب کو دیکھ کرادب وتعظیم کی وجہ سے اٹھ کر کھڑے ہوجاتے اور خوشی میں کتاب بند کردیتے اورشاگردوں سے کہتے: بھائی ہمارا حاجی آگیا، لہذا آج سبق کی چھٹی۔ یہ سن کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بہت غصہ آتا، اوروہ کہتے کہ یہ عجیب قسم کا حاجی ہے، پتہ نہیں کہاں سے آجاتا ہے، یہ آجاتا ہے تو ہمارا سبق ہی رک جاتا ہے، سبق کی اتنی دھن تھی اور پڑھنے سے اتنی دلچسپی تھی کہ سبق نہ ہونے کی وجہ سے ان کے دل پر بار پڑتا تھا، تو وہ بیٹھ کر بڑبڑاتے تھے۔ ان کے بازو حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ بیٹھتے تھے، تو آپ ان کو نصیحت کرتے: بھائی! یہ بڑے بزرگ اوراللہ والے ہیں، ان کے بارے میں کچھ مت بولو، یہ بات ٹھیک نہیں ہے، جب یہ اس طرح بولتے تو وہ کہتے: ارے ہوں گے وہ اپنی جگہ بزرگ، ہمارا تو سبق گیا، دونوں میں ایسی باتیں ہوتی تھی۔ بہر حال انہوں نے دہلی میں بڑے شوق وذوق کے ساتھ پڑھا، یہ ان کے کتب بینی کا دور تھا۔

حضرت گنگوہی کا تعلیم میں انہماک کا عالم

اس زمانے میں چونکہ مدارس ایسے نہیں ہوتے تھے، جہاں کھانے پینے کا، رہنے سہنے کا نظام ہو، بل کہ رہنے والا کہیں بھی رہ جاتا، کسی مسجد کے کونے میں رہ جاتا، پڑھنے کے لیے استاذ کی خدمت میں جاتا، اوراپنے کھانے کا خود ہی نظام بنالیتا۔ تو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی ایک مقام پر رہتے تھے، ایک آدمی نے اپنے گھر میں ان کا کھانا مقرر کردیا تھا، تو وہ روزانہ وہاں کھانا لینے کے لیے جایا کر

تے تھے۔جس راستہ سے وہ آتے جاتے تھے،اسی راستہ میں ایک مجذوب بیٹھتے تھے، وہ مجذوب روزانہ ان کو دیکھتے تھے، ایک دن ان مجذوب صاحب نے آپ کو بلایا، اور کہا کہ کہاں جاتے آتے ہو؟ کہا میں طالب علم ہوں، فلاں جگہ پڑھتا ہوں، اور کھانے کے لیے ادھر آتا ہوں،تو وہ مجذوب صاحب کہنے لگے کہ بھائی! آؤ میں تمہیں کیمیا سکھا دیتا ہوں۔

کیمیا کیا ہے؟ لوہے تانبے یا پیتل کو کچھ چیزوں کے ذریعہ سونا بنا دیتے ہیں، اس میں تو حضرات فلاسفہ کا اختلاف ہے کہ وہ حقیقت میں سونا ہو جاتا ہے یا نہیں ، یہ الگ بات ہے، اس وقت اس کو نہیں چھیڑنا ہے۔ بہر حال وہ مجذوب صاحب کہنے لگے کہ آؤ، میں تم کو کیمیا گری سکھا دیتا ہوں، تمہارے پاس اچھا خاصا مال پیسا جمع ہو جائے گا، لوہا لانا میں کچھ ترکیب بتا دوں گا جس سے وہ سونا بن جائے گا، تو تم اسے بیچ کر فائدہ اٹھا لینا۔تو انہوں نے کہا کہ نہیں، میں تو اس وقت نہیں آسکتا، مجھے تو اس وقت پڑھنا ہے، البتہ جمعہ کا دن میرا فارغ رہتا ہے، جمعہ کے دن میں آجاؤں گا، مجذوب نے کہا ٹھیک ہے، لیکن جمعہ کا دن آیا تو مولانا رشید احمد صاحبؒ کو پڑھائی میں انہماک کی وجہ سے یاد ہی نہیں رہا، کوئی دوسرا ہوتا تو سوچو کہ اس کو یہ بات یاد رہتی کہ نہ رہتی؟ بل کہ دل ودماغ پر یہ بات سوار ہو جاتی ہے، بل کہ وہ سبق بھی بھول جاتا، سبق بھول کے وہ اسی میں لگ جاتا، لیکن حضرت کو پڑھنے کی ایسی دلچسپی تھی کہ ان کے دل ودماغ پر اس چیز نے کوئی اثر نہیں کیا، یہاں تک کہ جمعہ کا دن آیا تو انہیں یاد ہی نہیں آیا، سنیچر کے دن پھر اس طرف کھانے کے لیے گئے، تو وہ مجذوب پھر ملا، ان سے کہا کہ میں تو کل تمہارا انتظار کر رہا تھا تم کیوں

نہیں آئے؟ انہوں نے کہا کہ "افوہ" مجھے یاد نہیں رہا؛ کیوں کہ میں جمعہ کو ادھر نہیں آیا کرتا، مجھے یاد نہیں رہا، اس لیے اگلے جمعہ آجاؤں گا، خیر پھر اگلا جمعہ آیا تو انہوں نے جا کر مجذوب سے ملاقات کی، تو مجذوب ان کو ایک جنگل میں لے گیا، اور لے جا کر وہاں کی کچھ جڑی بوٹیاں ان کو دکھایا، دیکھو یہ ایسی جڑی بوٹی ہوتی ہے، اس کو پہچانو، یہ ایسا ہوتا ہے، اس کا پھول ایسا ہوتا ہے اور اس جگہ اگتا ہے وغیرہ پوری تفصیل بتائی، پھر اس کے بعد لوہا یا تانبا لیا، اور اس سے سونا بنانے کی ترکیب بتاتا رہا، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اسے سمجھ لیا، اس کے بعد جب اپنے کمرہ میں آگئے، تو ایک بار آزمانے کے لیے کر کے بھی دیکھا کہ ہوتا بھی ہے یا نہیں، دیکھا تو سچ میں ہو گیا، لیکن انہوں نے کہا اگر اس میں پڑوں گا تو پڑھنا بھول جاؤں گا، اس لیے انہوں نے پھر اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا۔ یہ ایسے حضرات تھے، کہ پڑھنے میں اتنی دلچسپی تھی۔

حفاظت جس سفینے کی، انہیں منظور ہوتی ہے

بہر حال یہ زمانہ ان کا کتب بینی کا تھا پڑھتے رہے پڑھتے رہے، اس کے بعد فارغ ہو گئے، فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر گنگوہ چلے گئے، اس وقت ایک تو جوانی کا زمانہ اور پھر پڑھنے کا نشہ، کتب بینی کا نشہ اور اس کی وجہ سے فخر و غرور تھا، دماغ بہت اونچا تھا، اسی زمانہ میں تھانہ بھون میں ایک بہت بڑے عالم رہتے تھے، ان کا نام حضرت مفتی شیخ محمد تھانوی صاحبؒ تھا اور وہ حضرت میاں جی صاحبؒ کے خلیفہ تھے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے پیر بھائی ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ رشید احمد گنگوہیؒ سے بھی کافی بڑے تھے، اور مولانا رشید احمد صاحبؒ تو

جوان تھے، ابھی فارغ ہو کر آئے تھے۔ حضرت مولانا شیخ محمد صاحبؒ سے ایک مسئلہ میں مولانا گنگوہی کو اختلاف ہو گیا، تو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنی اسی جوانی کے زمانے میں ان سے مناظرہ کرنے کے لیے تھانہ بھون گئے، اور خیال یہ تھا کہ جا کر ان سے مناظرہ کروں گا اور ان کو ہرا دوں گا، دلائل کا پورا ذخیرہ لے کر وہاں پہنچ گئے، جب تھانہ بھون پہنچے تو یاد آیا کہ بھائی وہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ جو مولانا شاہ عبد الغنی مجددیؒ کے پاس آتے تھے، سنا ہے کہ ان کا قیام تھانہ بھون میں ہو گیا ہے، چلو ملاقات کر لیں، ان عالم صاحب کی قیام گاہ سے پہلے راستہ میں حضرت حاجی صاحب کی خانقاہ تھی، یہ وہی خانقاہ ہے جہاں بعد میں حضرت تھانویؒ رہتے تھے، الغرض آپ ملاقات کے لیے پہنچے تو حاجی صاحب نے آپ کو دیکھا اور پوچھا کہ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ میں آپ سے شاہ عبد الغنی مجددیؒ کی درسگاہ میں ملا کرتا تھا، آپ وہاں تشریف لایا کرتے تھے، اب میں فارغ ہو کر گھر آ گیا ہوں اور یہاں فلاں مولانا صاحب جنہوں نے یہ بات لکھی ہے، اس کے خلاف دلائل جمع کر کے لایا ہوں، ان سے مناظرہ کرنے کے لیے آیا ہوں، جوانی کے زمانہ میں ایسا ہی ہوتا ہے، پہلے پہلے پڑھ کے آتے ہیں تو دماغ ذرا عرش پے چلا جاتا ہے، تو آپ کا بھی دماغ عرش پے تھا۔

حاجی صاحب نے سنا تو فرمایا کہ "افوہ" آپ ابھی بچے ہیں اور مولانا شیخ محمد صاحب تو ہمارے بزرگ اور بڑے عالم ہیں جو ایک طویل عرصے سے فتوے دیتے چلے آئے ہیں، آپ ان سے مناظرہ کریں گے؟ یہ بات ٹھیک نہیں، آپ نہ جائیں اور اس کا ارادہ ترک کر دیں، بہر حال حاجی صاحب نے اپنی بزرگانہ شان

سے سمجھایا تو مولانا رشید احمد گنگوہی کو بات سمجھ میں آ گئی، اور آپ نے اس کا ارادہ ترک کر دیا، پھر آپ نے حاجی صاحب سے کہا کہ مجھے آپ بیعت فرمالیجئے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

حفاظت جس سفینے کی، انہیں منظور ہوتی ہے
کنارے تک، اسے خود لا کے، طوفاں چھوڑ جاتا ہے

مناظرہ کرنے کو گیئے ولایت مل گئی

کتب بینی کا دور ختم ہو کے اب قطب بینی کا دور شروع ہو رہا ہے، تو حاجی صاحب سے کہنے لگے کہ حاجی صاحب مجھے آپ بیعت فرمالیجئے، انہوں نے کہا بہت اچھا، حاجی صاحب کے یہاں تو یہ تھا کہ بیعت ہونے کے لئے درخواست ہی کی دیر تھی، فوراً بیعت فرمالیتے تھے، کوئی بھی آئے، کہیں سے بھی آئے، پڑھا لکھا آئے، جاہل آئے، اناڑی آئے، کوئی بھی آئے، بیعت فرمالیتے تھے، درخواست کرتے ہی فوراً بیعت کر لیتے تھے، اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ بھئی میں ہر کس و ناکس کو بیعت اس لیے کر لیتا ہوں کہ ہو سکتا ہے میرا ہاتھ ان کے ہاتھ سے لگنے کے سبب میری مغفرت ہو جائے، عجیب تواضع تھی، تو بہر حال بیعت کر لیا، بیعت کرتے ہی مولانا رشید احمد گنگوہی نے کہا کہ حضرت میں بیعت تو ہو گیا ہوں، لیکن ایک درخواست ہے وہ یہ ہے کہ مجھے آپ جو چاہیں حکم دیجیے؛ لیکن تہجد کی بات نہ بولیئے، یہ میرے بس کا نہیں ہے، اس کے علاوہ آپ جو چاہیں بولیئے، میں کرنے تیار ہوں، لیکن اللہ کے واسطے یہ ایک نہیں۔

حاجی صاحب بڑے رحیم تھے، بڑے کریم تھے، بڑے مہربان تھے،

بڑے لطیف تھے، تو حاجی صاحب نے کہا کیا مضائقہ ہے تہجد ہی میں سب کچھ تھوڑا ہی ہے؟ ٹھیک ہے دوسرا کام کر لیجئے اور تہجد کو نہ اٹھئے، آپ نے شرط لگائی کہ مجھے تہجد کی بات نہ کہوں میں نے مان لی ہے؛ لیکن ایک شرط میری بھی مان لینا، شرط یہ ہے کہ آپ تہجد نہ پڑھیں، لیکن چالیس دن یہاں قیام کریں، انہوں نے کہا ٹھیک ہے، اب چالیس دن قیام کی نیت سے وہاں رہ گئے، خانقاہ میں رہتے ہوئے جب رات میں سوئے، ساری خانقاہ سوگئی، اور جب ساڑھے تین بجے کا وقت ہوا، تو خانقاہ کے سارے لوگ اٹھ گئے، کوئی ذکر کر رہا ہے، کوئی ضربیں لگا رہا ہے، کوئی تہجد پڑھ رہا ہے، کوئی دعائیں مانگ رہا ہے، کوئی گڑگڑا رہا ہے، کوئی پلا رہا ہے، کوئی تلاوت کر رہا ہے، عجیب ماحول، عجیب روحانیت و نورانیت کا ماحول، جب سب یہ کر رہے تھے، یہ سو رہے تھے آنکھ ان کی بھی کھل گئی، ساڑھے تین بجے لوگوں کا یہ منظر جب دیکھا تو کچھ دیر تو پڑے پڑے دیکھتے رہے اپنے بستر پر، لیکن کچھ دیر کے بعد سوچا کہ بھئی سب اٹھ گئے ہیں، میں کیوں سوتا رہوں، چلو اٹھ جاتے ہیں ہم بھی، وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر اس کے بعد ذکر و اذکار میں مشغول ہو گئے، ایک دن اس طرح گزرا، پھر دوسری رات سوئے، تو پھر وہی قصہ، تیسرے دن سوئے تو وہی قصہ، اب دو چار دن کے بعد خود ان کو عادت ہوگئی، اب سب سے پہلے اٹھتے، پہلے تو لوگوں کو دیکھ دیکھ کر اٹھا کرتے تھے اور اب یہ ہوگیا کہ ان سے پہلے اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے، ذکر کرنے لگتے تھے، مراقبہ کرنے لگتے تھے، جو حضرت نے وظائف بتائے ان کو کرنے لگے، یہاں تک کہ چالیس دن حضرت حاجی صاحب کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ ماشاءاللہ کندن بن گئے، سارے رذائل پاک، تعلیاں ختم،

تکبر، عجب، خود پسندی ختم، جس مزاج کو اور جس دماغ کو لے کر وہاں پہنچے تھے، وہ تو میں کہہ ہی چکا ہوں کہ کیا مزاج تھا، کیا دماغ پر تعلّی کا اثر تھا، لیکن اب بالکل اور بن گئے، الغرض حضرت نے ان کو خلافت دی اور اپنے گھر بھیج دیا، اور یہ نصیحت فرمائی کہ جانے کے بعد اپنے حالات سناتے رہنا، بتاتے رہنا۔

قطب بینی کی کرشمہ سازیاں

لیکن کوئی خط نہیں بھیجا، کئی مہینے ہو گئے، تو حاجی صاحب نے خود ان کو ایک خط لکھا کہ اتنے دن گزر گئے، لیکن آپ نے احوال سے مطلع نہیں کیا؟ جب حضرت حاجی صاحب کا یہ خط پہنچا، تو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے جواب میں یہ لکھا کہ حضرت! آپ نے فرمایا تھا کہ کچھ احوال ہوں تو بتائیں، لیکن میرا تو کوئی حال ہی نہیں ہے، بے حال آدمی ہوں اور بے حال آدمی اپنا کیا حال بیان کرے؟ اس لیے میں نے آپ کو خط نہیں لکھا، البتہ آپ کی صحبت کی برکت سے مجھے اس وقت میں تین باتیں ایسی حاصل ہوئی ہیں جو پہلے کبھی محسوس نہیں کرتا تھا، انہوں نے اس کے بعد اپنے کچھ احوال لکھے۔

اس میں ایک بات یہ لکھی کہ آپ کی صحبت کی برکت سے پہلے شریعت کو دلائل سے جانتا تھا، لیکن اب ایسا ہے کہ کسی بھی شریعت کے حکم کے متعلق رتی برابر مجھے تامل، تذبذب نہیں، اتنا پکا یقین حاصل ہو گیا ہے، گویا کہ پہلے علم الیقین تھا تو اب حق الیقین وعین الیقین حاصل ہو گیا ہے۔

دوسری بات یہ حاصل ہوئی ہے کہ اعمال کے انجام دینے میں مجھے کوئی تکلف نہیں ہوتا، تلاوت ہو، ذکر ہو، نماز ہو، اور چیزیں ہوں بے تکلف؛ بل کہ

پوری رغبت کے ساتھ ان کو کرتا ہوں، گناہوں سے ایسی نفرت ہوگئی ہے جیسے پاخانہ پیشاب سے نفرت ہوا کرتی ہے۔

اور پھر تیسری بات انہوں نے یہ لکھی کہ مجھے یہ بات حاصل ہوگئی ہے کہ مادح کی مدح اور کسی ذامّ کے ذم پر میرے اندر کوئی تغیر محسوس نہیں ہوتا، مادح کہتے ہیں تعریف کرنے والے کو، کوئی تعریف کرے تو اس سے بھی مجھ پر کوئی اثر نہیں اور کوئی مذمت کرنے والا برائی کرنے والا، گالی بکنے والا، کچھ بھی مجھے برا بھلا کہہ لے لیکن اس کا بھی میرے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ تین باتیں لکھیں، پھر اس کے بعد لکھا میں کچھ نہیں، میں کچھ نہیں، میں کچھ نہیں، میں کچھ نہیں، صفحہ جتنا خالی تھا اس میں آپ نے یہی لکھ دیا۔

دیکھ رہے ہیں حال کیسے بدل گیا، کہاں وہ حال اور کہاں یہ حال، وہ زمانہ کتب بینی کا تھا اور یہ زمانہ قطب بینی کا ہے اور ساتوں آسمانوں اور زمینوں کا فرق ان کے اندر پیدا ہوگیا، یہ ہوتا ہے فرق کتب بینی اور قطب بینی میں؛ اس لیے اس کی بڑی شدید ضرورت ہوتی ہے۔

قطب بینی کے دو اثر: علم کی روشنی اور عشق کی گرمی

بہرحال کتب بینی کے ساتھ قطب بینی کی اہمیت کی چند مثالیں میں نے آپ کو دیں، اس سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ کتب بینی کے ساتھ قطب بینی کی ضرورت ہے، ہر آدمی کو، ہر فاضل کو، ہر طالب علم کو، ہر پڑھے لکھے کو اس کی ضرورت ہے، تب اس کے اندر اندرونی نکھار اور روحانی کمال پیدا ہوتا ہے، اللہ کے عشق کی بات پیدا ہوتی ہے، تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، گناہوں سے بچنا، تقوی و

طہارت پیدا ہوتا ہے، اسی کو اللہ نے فرمایا کہ ﴿كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ﴾ نیک لوگوں کے ساتھ، سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو، اس سے تمہارے اندر تقوی کی اسپرٹ پیدا ہوگی۔

ایک بات یہاں پر عرض کردوں کہ اہل اللہ کی صحبت کے دو اثر ہوتے ہیں، ایک یہ ہوتا ہے کہ ان سے روشنی ملتی ہے، اور دوسرا یہ ہوتا ہے کہ ان سے گرمی ملتی ہے، علم کی روشنی اور عشق کی گرمی، اس بات کو یاد رکھو، یہ دو چیزیں اہل اللہ کی صحبت سے ملتی ہیں، یہیں پر یہ بھی بتادوں کہ ان حضرات سے جو علم کی روشنی ملتی ہے وہ بہت دور تک پھیلتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے یہاں پر ایک چراغ جلایا، کہاں تک روشنی جائے گی؟ ظاہر ہے کہ اس سے پورا علاقہ روشن ہوجائے گا۔ آپ نے یہاں لائٹ جلائی تو پورا ہال روشن ہوجائے گا، تو اہل اللہ کی صحبت کی تاثیر سے علم کی روشنی ملتی ہے، اور وہ روشنی بہت دور تک پھیلتی ہے، لیکن اس کے برخلاف چراغ و لائٹ کی گرمی دور تک نہیں پھیلتی، بل کہ ایک محدود جگہ تک ہی اس کا اثر پہنچتا ہے، لہذا گرمی پانے کے لیے قریب آنا اور بیٹھنا پڑتا ہے، سمجھ میں آیا، یا نہیں آیا؟

عشق کی گرمی کے لیے اہل اللہ کے قریب آنا ضروری ہے

یہ نہایت ہی اہم بات ہے، اللہ تعالی نے اسی وقت ذہن میں ڈالی کہ روشنی تو پھیلتی ہے؛ لیکن گرمی لینے کے لیے قریب آنا پڑتا ہے؛ جیسے آگ یہاں جل رہی ہو، ایک آدمی ایک میل کے فاصلہ پر بیٹھ جائے تو اس کو روشنی تو ملے گی؛ لیکن اس کی گرمی اسے کہاں ملے گی؟ گرمی لینے کے لیے تو آگ کے قریب آنا پڑے گا، اگر

آگ کے قریب نہ آیا تو گرمی حاصل نہ ہوگی، اسی طرح دور سے علم کی روشنی تو مل جائے گی، لیکن عشق کی گرمی نہیں ملے گی۔

آپ کو سنایا تھا حضرت جلال الدین رومی کا قصہ، عشق کی گرمی منتقل کی گئی، اس گرمی کے منتقل ہونے کے لیے قریب ہونا ضروری ہے، بغیر قریب ہوئے نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ جیسے اللہ نے آگ کا اصول رکھا ہے، عشق کا بھی وہی اصول ہے، حضرت خواجہ مجذوب کا شعر ہے کہ

جو آگ کی خاصیت، وہی عشق کی خاصیت

ایک خانہ بہ خانہ ہے اور ایک سینہ بہ سینہ ہے

فرق ہے تو یہ فرق ہے کہ وہ خانہ بہ خانہ ہے، یہ سینہ بہ سینہ ہے، تو دیکھو! قریب ہوئے بغیر آگ اپنی گرمی نہیں پہنچاتی، اس سے قریب ہونا پڑتا ہے، اسی طرح عشق الٰہی کی گرمی کے لیے بھی اہل اللہ کے قریب آنا ضروری ہے، اس بات کو بھی یاد رکھنا ضروری ہے۔

اہل اللہ سے بُعد کی وجہ، تکبر

اسی سلسلہ کی ایک اہم بات یہ ہے کہ بعض لوگ اہل اللہ کے قریب نہیں ہوتے، کیوں قریب نہیں ہوتے؟ تکبر کی وجہ سے، بڑائی کی وجہ سے، جب دماغ میں علم کی تعلّی رہتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اہل اللہ کے قریب نہیں ہوسکتا؛ اس لیے کہ علم کے اندر خاصیت ہے تعلّی و بڑائی کی، علم دراصل اللہ کی صفت ہے اور اللہ تعالی کی ذات بڑی اعلی اور جلالت و بڑائی والی ہے، لہذا جو علم سیکھے گا اس میں تعلّی آئے گی، لیکن بندہ کو حکم ہے کہ تعلّی و تکبر نہ کرے، اس کے لیے اسے عشق کی

گرمی چاہئے کہ اس کو عشق کی گرمی لگتے ہی وہ ذرا جھک جائے گا، جیسے کسی چیز کو جب آگ کے سامنے رکھ دیں تو جھلس کر نیچے کو جھک جاتی ہے؛ اسی طرح علم کا حال ہے کہ علم تعلّی کی طرف لے جاتا ہے اور عشق کی گرمی لگتی ہے تو پھر دماغ ٹھکانہ پر آجاتا ہے۔

الغرض تعلّی کی بنیاد پر قربتِ اہل اللہ سے محرومی ہو جاتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی علم کی روشنی تو پالیتا ہے؛ لیکن عشق کی گرمی نہیں پاتا؛ لہذا اہل علم کو چاہئے کہ علم کی روشنی کے ساتھ اہل اللہ کی صحبت بھی اختیار کریں، کتب بینی کے ساتھ ساتھ قطب بینی بھی کریں، اس سے آپ کی خدمات میں کمیت کے ساتھ، کیفیت بھی پیدا ہو جائے گی اور جہاں جائیں گے لوگوں میں عشق الٰہی کی آگ لگ جائے گی، جیسا کہ ہمارے اکابر علماء دیوبند کا حال رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چیزوں کو سمجھنے اور ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين